عالمِ اسلام کا اہم ترین مسئلہ
تصورِ امت کا فقدان

محمد وصی فصیح بٹ☆

Abstract

In the beginning of the fourteen hundred years span we were the sole owner of reverence, glory, respect, power and control. But currently we are deprived and underprivileged. We do not have power resources, glory or unity. Even good habits and characters are missing. In short, every undesired thing is present in us and we are far away from any good.

Everyone is serious and distressed about the current deterioration of Muslims. Wordsmiths list many reason for this decline, and concerned people are trying hard to get Muslims out of this trouble.

Still the disease has not been diagnosed properly and the causes listed are basically symptoms. Unless and until we focus on the root of the infection, the journey to success will not begin.

For the same reason attempts have been made to indicate the root cause of the problem in this article. It has been proved in the light of Qura'an and Sunnah that the most important problem of the Muslim world is the lack of being an Ummah. In the early days of this Ummah; Muslims were united and were therefore, ruling the world. In the later centuries this unity was replaced by chaos, nationalism, and sectarianism so much so that even the institution of Khilafat could not be sustained. This article lists a six point framework to establish unity in the Muslim Ummah.

☆ ریسرچ اسکالر، شعبہ علومِ اسلامی، جامعہ کراچی۔

عالمِ اسلام کا اہم ترین مسئلہ
تصورِ امت کا فقدان

تلخیص:

''مسلمانوں کی چودہ سوسالہ زندگی کو جب تاریخ کے اوراق میں دیکھا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ ہم عزت وعظمت، شان و شوکت، دبدبہ وحشمت کے تنہا مالک واجارہ دار ہیں۔لیکن جب ان اوراق سے نظر ہٹا کر موجودہ حالات کا مشاہدہ کیا جاتا ہے تو ہم انتہائی ذلت وخواری، افلاس وناداری میں مبتلا نظر آتے ہیں۔نہ زوروقوت ہے...... نہ زرودولت ہے...... نہ شان وشوکت ہے...... نہ باہمی اخوت والفت...... نہ عادات اچھی نہ اخلاق اچھے...... اعمال اچھے نہ کردار اچھے...... ہر برائی ہم میں موجود اور ہر بھلائی سے کوسوں دور۔

مسلمانوں کی موجودہ زبوں حالی پر ہر سنجیدہ شخص رنجیدہ ہے۔اہلِ قلم اس زوال کی متعدد وجوہات بتاتے ہیں، اور اہلِ درد مسلمانوں کو اس بھنور سے نکالنے کے لئے کوشاں ہیں، لیکن

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

دراصل اب تک ہمارے مرض کی تشخیص مکمل طور پر نہیں ہوئی، یہ جو کچھ اسباب بیان کیے جاتے ہیں اصل مرض نہیں بلکہ اس کی علامات ہیں۔جب تک مرض کی جڑ کی طرف توجہ نہ ہوگی زوال سے عروج کی طرف سفر شروع نہیں ہو سکے گا۔

اسی ضرورت کے مدِ نظر پیشِ نظر مقالے میں اس زوال کی حقیقی وجہ کی نشاندہی کی کوشش کی گئی ہے۔قرآن وسنت کے نصوص اور حکمائے امت کے تجربات کی روشنی میں ثابت کیا گیا ہے کہ عالمِ اسلام کا اہم ترین مسئلہ تصورِ امت کا فقدان ہے۔قرونِ اولیٰ میں مسلمان امت کی لڑی میں پروئے ہوئے تھے تو ہر طرح کے غلبہ کے مالک تھے۔بعد کی صدیوں میں اتحاد واتفاق کی جگہ عصبیت، قومیت، فرقہ واریت نے لی تو خلافت تک قائم نہ رہ سکی۔مقالے میں تمام ملتِ اسلامیہ اور امتِ مسلمہ کے قیام کے لئے چھ نکاتی لائحہ عمل بھی پیش کیا گیا ہے۔''

مقامِ حیرت:

عقل ورطہ حیرت میں ہے کہ جس اُمت پر رحمتِ خداوندی روزِ اوّل سے مثلِ مینہ برس رہی ہو وہ اتنی پستی کا شکار کیوں؟
جس اُمت پر مادی وروحانی نعمتوں کا شمار نہ ہو وہ غیروں سے مغلوب کیوں؟

اُمتِ مسلمہ پر روحانی انعامات:

مسلمانانِ عالم پر رحمتِ بے کراں کا مظہر ہے کہ ان کی راہنمائی کا منظم و مرتب انتظام کیا گیا۔ کامل و اکمل شریعت عطاء ہوئی، جس کی ساخت میں وہ لچک رکھی گئی جس کے باعث ہر علاقے ہر زمان میں وہ تطبیقی صلاحیت کے ساتھ نظر آتی ہے۔ الہامی تعلیمات کا ماخذِ اوّل فرقان مجید کی مکمل و مربوط حفاظت کا وعدہ کیا گیا۔ ماخذِ ثانی (احادیث نبویہ ﷺ) کی حفاظت کے لئے اس اُمت کو خصوصی ذریعہ ''سند'' کی صورت میں عطا ہوا۔ ان دو زندہ جاوید مناہلِ صافیہ سے استفادہ کے لئے ہر دور میں وہ عظیم اذہان پیدا کئے گئے جنہوں نے سرمایہ حیات ''فقہ'' و ''اُصول فقہ'' کی صورت میں مدون کرکے اُمتِ مسلمہ کے خلفاء کے لئے ''اسلامی آئین'' اور رعایا کے لئے ''راہِ عمل'' پیش کیا۔

مادی انعامات:

اُمتِ اجابت کی خلافت ارضی کا عملی مظاہرہ اسے دنیاوی وسائل سے مالا مال کرکے کیا گیا۔ صفحۂ ہستی کے عین وسط میں اسے انتہائی اہم خطہ الاٹ کرکے تمام اہم سمندروں تک رسائی اور بعض اہم آبی گذرگاہوں (نہرِ سوئز وغیرہ) کی اجارہ داری عطا ہوئی۔

قدرتی ذخائر سے نہال کردیا گیا۔ مشرق وسطیٰ میں خلیجی مسلم ممالک ''سیال سونے'' (پیٹرولیم) کے دو تہائی ذخائر کے تنہا مالک ہیں۔(۱) صرف سعودی عرب ہی ۲۶۰ بلین بیرل سالانہ پیداوار کے ساتھ پوری دنیا میں ذخائر پیٹرول میں سے 24% (ایک چوتھائی حصہ) کا مالک ہے۔(۲)

معاشی ترقی کا دوسرا اہم ترین عنصر Natural Gas بھی 49% مسلم ممالک میں پائی جاتی ہے۔(۳) جدید تحقیقی اداروں کی رپورٹ بتاتی ہیں ۲۰۲۰ء تک ان ذخائر میں 120% تک اضافہ متوقع ہے۔(۴) وسطی اشیاء کی مسلم ریاستیں معدنی دولت سے خوب نوازی گئی ہے۔ ترکمانستان ۱۵۵ ملین کیوبک فیٹ گیس کے ساتھ دنیا کا چوتھا سب سے بڑا Gas کا پیداواری ہے۔(۵) ایلومینم کے سب سے ذخائر اسلامی ملک تاجکستان میں پائے جاتے ہیں۔(۶) یورپ اور ایشیاء کا سنگم ''ترکی'' Boron کی پیداوار میں ممتاز مقام رکھتا ہے۔(۷)

عالم اسلام پر حقیقت پسندانہ نظر:

مندرجہ بالا ''اعزازی'' انعامات کے باوجود مسلمانوں کی موجودہ صورتحال بعینہٖ اس موم بتی کی مثل ہے جو دوسروں کو روشنی دیتی ہے اور خود جل کر بے نام ونشان ہو جاتی ہے۔ اقوامِ عالم ان کے مادی ذخائر سے فائدہ اور ان کے الہامی ماخذ سے نظام ہائے زندگی بنا رہی ہے، اور مسلمان ہیں کہ ہر میدان میں فتح سے کوسوں دور۔

میدانِ کارزار کی ''جزوی فتح'' باہمی جدال سے ''کلی شکست'' بن جاتی ہے یا ''مذاکرات'' کی میز پر ہار دی جاتی ہے۔

''قاتل'' متعدد ہیں، ''مقتول'' واحد ہے یعنی مسلمان...... ''مفتوحہ'' علاقہ کوئی نہیں، ہر دن اپنے علاقے ''مقبوضہ'' بنتے جا رہے ہیں......شعبہ تعلیم وتربیت کا ہو یا صنعت وحرفت کا، نتائج '' قابل فخر'' تو کجا '' قابلِ ذکر'' بھی نہیں۔

92,24,47,573 حاضر سروس افراد پر مشتمل افواجِ اسلام کے درمیان عافیہ '' عافیت'' سے نہیں۔ دنیا کے دوتہائی تیل کے مالک ممالک اپنے تیل کی قیمت مقرر کرنے میں آزاد نہیں۔ اسرائیل کے وجود کے انکاری اسلامی ممالک اس کے تیل کی ضرورت ''تسلیم'' کرتے ہیں اور اسے بلاواسطہ تیل فروخت کرنے پر مجبور ہیں۔

حقیقی وجوہِ زوال:

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ آج جبکہ حالت بد سے بدتر ہو چکی اور آنے والا زمانہ، ماسبق سے بھی زیادہ پُر خطر اور تاریک نظر آرہا ہے۔ ہمارا خاموش بیٹھنا اور عملی جدوجہد نہ کرنا ایک ناقابلِ تلافی جرم ہے۔ لیکن عملی قدم اٹھانے سے پہلے ان امراض کی تشخیص ازحد ضروری ہے جس کے باعث ہم اس ذلت وخواری میں مبتلا کئے گئے۔

رہنمایانِ قوم نے اس انتشار وزوال کی بہت سی وجوہ نشان کی ہیں، جن میں سے ہر ایک مستقل اہمیت کی حامل اور دوسری وجوہات سے متصل ومربوط ہے۔

تاہم احقر کی رائے میں!

عصرِ حاضر میں عالمِ اسلام کا اہم ترین مسئلہ ''تصورِ امت کا نہ ہونا ہے

سطح زمین پر ۵۸ اقوام مسلمہ ہیں ''امت مسلمہ'' نہیں۔ اجتماعیت وعالمگیریت، اتحاد واتفاق، ربط وجذب، ناپید ہو گیا ہے۔ ہر میدان میں انفرادیت پر زور ہے۔ اپنی برادری، اپنی پارٹی، اپنی قوم، اپنا وطن، اپنی زبان وجۂ تعلق قرار دی جارہی ہیں۔ انفرادیت کے خول سے نکلنے اور اجتماعیت کے دائرہ میں داخل ہونے کو حکمران تیار ہیں اور نہ عوام۔

اسلامی اخوت کی جگہ علاقائی وحدت...... مسلم قومیت کی جگہ وطنی قومیت......اجتماعیت کی جگہ عصبیت اور مذہبی اتفاق کی جگہ مسلکی اختلاف ہے۔

قرآن وسنت سے تشخیص:

قرآن کریم نے تو ساڑھے چودہ سو سال قبل اجتماعیت کو اہمیت دیتے ہوئے باہمی افتراق کو ہر طرح کے زوال کی بنیاد قرار دے دیا تھا۔

ولا تنازعوا فتفشلوا و تذهب ريحكم (الانفال: ٤٦)

''آپس میں اختلاف نہ کرو ورنہ بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔''

یعنی باہمی افتراق دو قسم کی تباہی ساتھ لاتا ہے۔

۱۔ داخلی: امت کے افراد بزدل و کمزور ہو جاتے ہیں۔

۲۔ خارجی: دشمن جری ہو جاتا ہے، مسلمانوں کا رعب ختم ہو جاتا ہے۔

اسی مرض کی تباہیوں کی منظر کشی رسول اللہ ﷺ نے یوں فرمائی۔

''قریب ہے کہ (ایسا زمانہ آئے گا کہ دشمن) قومیں تمہارے خلاف (تم کو مٹا دینے کے لئے) ایک دوسرے کو اس طرح دعوت دیں جس طرح کھانے والی جماعت کے آدمی دسترخوان کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ کسی نے عرض کیا: کیا اس دن ہماری قلت کی وجہ سے ایسا ہوگا؟ آپ نے فرمایا: (نہیں) بلکہ تم اس وقت بڑی تعداد میں ہو گے لیکن تم سیلاب کے کوڑے کرکٹ کی طرح ہو گے اور اللہ تمہارے دشمنوں کے دل سے تمہارے ہیبت نکال دے گا اور (اس کے برعکس) تمہارے دلوں میں وہن ڈال دے گا۔ عرض کیا: وہن کا کیا مطلب؟ دنیا کی محبت اور موت کی کراہٹ؟'' (۸)

الفاظ پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ جس طرح سیلاب میں بہنے والی اشیاء میں کوئی ربط کوئی باہمی تعلق نہیں ہوتا اس طرح کفار کا ہر لقمہ بننے والے مسلمانوں میں بھی ''امت پنا'' نہ ہوگا۔

حکمائے امت کی تائیدات:

ضیاء قرآنی اور نورِ ایمانی سے منور اذہان عصرِ حاضر میں امتِ مسلمہ کا سب سے بڑا مسئلہ فقدانِ اجتماعیت قرار دیتے رہے ہیں۔ مثلاً

۱۔ اسّی سال کی قرآن فہمی کا نچوڑ:

جنگ آزادی کی تحریک کے میر کارواں، اسّی سال تک علماء کرام کو درس دینے والے شیخ الہند مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ مالٹا کی جیل سے رہائی کے بعد علماء و مشائخ کے جمِ غفیر کے سامنے بڑے درد سے فرمانے لگے۔

''میں نے جیل کی تنہائیوں میں اس پر غور کیا کہ پوری دنیا میں مسلمان دینی اور دنیوی ہر حیثیت سے کیوں تباہ ہو رہے ہیں؟ تو اس کے دو سبب معلوم ہوئے:

۱۔ ان کا قرآن کو چھوڑ دینا۔

۲۔ آپس کے اختلافات اور خانہ جنگی۔'' (۹)

۲۔ تاریخ کے تین سبق:

مشہور مؤرخ حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''جن ملکوں میں اسلام کا زوال ہوا، وہاں دشمنِ اسلام طاقتیں غالب آئیں آپ اگر تحقیق کریں گے تو ان میں کچھ ایسی چیزیں پائیں گے جن سے اس دور میں سبق لیا جاسکتا ہے۔ان میں ایک چیز تھی علماء کا شدید اختلاف اور دوسری چیز تھی علماء کا عوام سے رابطہ نہیں تھا...... تیسری بات یہ ہے کہ حاکم خاندان میں حکومت کے لئے رسہ کشی شروع ہوگئی تھی ۔ یہ تین عنصر تھے اندلس کے زوال کے''۔(۱۰)

۳۔مصور پاکستان کا تجزیہ:

شاعر مشرق علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ آل انڈیا ریڈیو کی استدعا پر یکم جنوری ۱۹۳۰ء کو سال نو کے پیغام میں یوں خطاب کرتے ہیں:

''جب تک انسان اپنے عمل کے اعتبار سے ''الخلق عیال اللہ'' کے اصولوں کا قائل نہ ہو جائے گا، جب تک جغرافیائی وطن پرستی اور رنگ ونسل کے اعتبارات کو نہ مٹایا جائے گا، اس وقت تک انسان اس دنیا میں فلاح وسعادت کی زندگی بسر نہ کرسکیں گے اور اخوت، حریت اور مساوات کے شاندار الفاظ شرمندہ معنی نہ ہوں گے''۔(۱۱)

یہ اُمت کیسے بنی تھی؟

نبی رحمت ﷺ طبقاتی نظام کا خاتمہ لے کر مبعوث ہوئے اور روزِ اوّل سے مسلمانوں کو ایک کلمہ کی عمومی دعوت میں شریک کیا، سب کو ایک منشور (لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ)، ایک مقصدِ حیات (لتکون کلمة اللہ ھی العلیا) اور ایک منہجِ دعوت دیا۔ سردار ہو یا بے کار، بس مسلمان ہوتے ہی ہر فرد کو ایسی عمومی وعلمی جہد میں شریک کرلیا جاتا تھا کہ جس کے تمام ممبران ایک خاندان کی طرح غم وخوشی میں شریک ہوتے، ان کا ہر فرد اپنی برادری، اپنی پارٹی، اپنی قوم، اپنی زبان کی طرف دیکھنے کے بجائے ہر حال میں صرف یہ دیکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کیا فرمارہے ہیں۔

''تصورِامت'' ترغیبات قرآنی کی روشنی میں:

مندرجہ ذیل آیات بھی قرآن کریم کے سچے پیروکاروں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو ''امت'' کی صورت دے رہی تھی:

''انما المؤمنون اخوة'' (الحجرات:۱۰) ''(یادرکھو) سارے مسلمان بھائی بھائی ہیں۔''

''والمؤمنون والمؤمنت بعضهم اولياء بعض'' (التوبۃ:۷۱)

''مومن مرد اور عورت آپس میں ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔''

''تصورِ امت'' ترغیباتِ نبویہ کی روشنی میں:

نبی کریم ﷺ بھی وقتاً فوقتاً اپنے گرامی قدر ارشادات سے ''امت پن'' کی تاکید اور مخالف نظریات کی تردید فرماتے رہے۔ مثلاً:

"المسلم اخوا المسلم لا يظلمه ولا يسلمه"

''مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، نہ اس پر ظلم کرتا ہے نہ اسے اس کے دشمنوں کے حوالہ کرتا ہے۔'' (۱۲)

"ليس منا من دعا الى عصبية وليس منا من قاتل على عصبية"

''جو لوگوں کو عصبیت کی دعوت دے وہ ہم میں سے نہیں۔ جو عصبیت کے سبب جنگ کرے وہ ہم میں سے نہیں۔'' (۱۳)

"ان الله قد اذهب عنكم عبية الجاهلية و فخرها بالآباء انما هو مومن تقى او فاجر شقى"

''بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے تم میں سے جاہلیت کی نخوت کو اور باپ دادا پر فخر کرنے کی عادت کو دور کر دیا ہے۔ (یاد رکھو آدمی (اب) یا مومن متقی ہے یا فاجر و بدکار (یعنی دوستی و دشمنی کا تعلق صفات پر ہو نہ کہ نسب و وطن پر)'' (۱۴)

قرنِ اوّل میں تصورِ امت کے عظیم مظاہر:

نبی کریم ﷺ کی ۲۳ سالہ دعوتی جہد، جہادی قربانیوں اور بے مثل تعلیمات کا ثمرہ یہ مرتب ہوا کہ مختلف زمانوں، علاقوں، تہذیبوں سے تعلق رکھنے والے افراد اسلام کے دائرہ میں داخل ہونے کے بعد ایک ایسا گلدستہ بن گئے جس کا ہر پھول و پتی اس کیلئے باعثِ زینت تھا۔ ایسی مٹھی بن گئے جس کی ہر انگلی اجتماعیت کی قوت بن رہی تھی۔ نوعِ انسانی کے افراد خاندان میں تبدیل ہو گئے اور مختلف طبقے شیر و شکر ہو گئے۔ وہ اجتماعیت کا سہارا اور حق کے ساتھی بن گئے۔ ان کے کام اجتماعی مفاد میں اجتماعی مشورے سے طے پاتے۔

ا۔ ایمان کا رشتہ خون کے رشتے سے بالاتر:

غزوہ بدر میں ابوعزیر بن عمیر بھی قیدی بنا کر لائے گئے۔ جب حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ (جو ان کے سگے بھائی تھے) ان کے پاس سے گزرے تو ایک انصاری رضی اللہ عنہ ان کے ہاتھ باندھ رہے تھے۔ مصعب نے ان سے کہا کہ ''ذرا اچھی طرح کسنا، اس کی ماں بڑی مالدار ہے''۔ ابوعزیر یہ سن کر اپنے بھائی مصعب سے بطورِ تعجب کہنے لگے: ''بھائی ہو کر یہ مشورہ دے رہے ہو؟'' جواب ملا ''تم میرے بھائی نہیں۔ بھائی وہ ہے جو تمہاری مشکیں کس رہا ہے۔'' (۱۵)

۲۔ ایک کیلئے ہزاروں کٹنے کو تیار:

جب مسلمان ایک امت تھے تو ایک مسلمان کے کہیں بھی قتل ہو جانے سے ساری امت ہل جاتی تھی۔ آج ہزاروں گلے کٹتے ہیں اور کانوں پر جوں نہیں رینگتی۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اہل مکہ سے گفتگو کے لئے روانہ فرمایا۔ قریش نے ان کو نظر بند کر دیا۔ خبر مشہور ہو گئی کہ آپ شہید کر دیئے گئے۔ خبر سنتے ہیں آپ علیہ السلام نے قصاص کے لئے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو جمع فرمایا اور آخری قطرے تک لڑنے کی بیعت لی جسے تاریخ میں بیعتِ رضوان سے موسوم کیا جاتا ہے۔

شام کے سرحدی علاقے کے عیسائی گورنر نے حضور ﷺ کا خط مبارک لے کر جانے والے صحابی حضرت حارث رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا تو آپ ﷺ نے ان کے بدلہ کے لیے تین ہزار افراد کی جماعت شام روانہ فرمائی، غزوہ موتہ رونما ہوا۔ (۱۶)

۳۔ ذاتی اختلاف اجتماعیت پر قربان:

بشریت کے تقاضے کے تحت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے درمیان ذاتی رنجشیں بھی پیدا ہوئیں۔ اختلاف رائے کی بنیاد پر بعض مسائل میں اختلاف بھی رونما ہوا لیکن ان اختلافات کی وجہ سے کبھی امت پنے پر حرف نہ آیا۔

جب امام مظلوم حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ باغیوں کے نرغے میں محصور تھے اور یہی باغی نمازوں میں امامت کراتے تھے تو امام مظلوم نے مسلمانوں کو ان کی اقتداء میں نماز پڑھنے کی ہدایت فرمائی اور عام ضابطہ یہ بتا دیا۔

"فاذا احسن الناس فاحسن معهم وان هم اسائوا فاجتنب اسائتهم"

"جب وہ لوگ کوئی نیک کام کریں، اس میں ان کے ساتھ تعاون کرو اور جب کوئی برا کام کریں تو اس سے بچو" (۱۷)

اس ہدایت کے ذریعے اپنی جان پر کھیل کر مسلمانوں کو قرآنی ارشاد (**وتعاونوا على البر والتقوىٰ**) کی صحیح تفسیر بتا دی اور باہمی انتشار و افتراق کا دروازہ بند کر دیا۔

اسی طرح جب کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان میدانِ جنگ گرم تھا۔ روم کی عیسائی سلطنت نے موقع سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ساتھ ملانے اور ان کی مدد کرنے کا پیغام دیا تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ جواب تھا۔

"ہمارے اختلاف سے دھوکہ نہ کھاؤ۔ اگر تم نے مسلمانوں کی طرف رخ کیا تو تمہارے مقابلے میں علیؓ کے لشکر کا پہلا سپاہی جو نکلے گا وہ معاویہ ہوگا۔" (۱۸)

معلوم ہوا کہ باہمی اختلاف جو منافقین کی گہری سازشوں سے تشدد کا رُخ اختیار کر چکا تھا، اس میں بھی اسلام کے بنیادی حقائق کسی کی نظر سے اوجھل نہ ہوئے۔

تصورِ امت کیسے ختم ہوا؟ تاریخی جائزہ:

عہدِ رسالت اور عہدِ صحابہ میں اجتماعیت و امت پن غالب نظر آتا ہے لیکن رفتہ رفتہ، چشمۂ صافی (قرآن وحدیث) سے دوری، یونانی فلسفہ و منطق کی آمیزش، دوسرے مذاہب کے اختلاط اور یہودیوں کی مسلسل خفیہ سازشوں کے نتیجے میں عہد بہ عہد اجتماعیت کمزور اور امت پنے کی گرفت ڈھیلی ہوتی چلی گئی۔

مختصر تاریخی جائزہ حقائق کی روشنی میں درج ذیل ہے۔

ا۔عہد اموی میں جاہلی رجحانات:

خلافتِ راشدہ کے اختتام اور بنی امیہ کی حکومت کے استحکام نے (جو اسلامی سے زیادہ عربی تھی) تجدید و انقلاب کی فوری ضرورت پیدا کر دی۔

قدیم جاہلی رجحانات جو آنحضرت ﷺ کی صحبت و تربیت اور خلافتِ راشدہ کے اثر سے دب گئے تھے، نیم تربیت یافتہ مسلمانوں اور نئی عربی نسل میں ابھر آئے۔ تفاخر اور عربی عصبیت کی روح جس کو اسلام نے شہر بدر کر دیا تھا اور جو بادیۂ عرب میں پناہ گزیں تھی، پھر واپس آ گئی۔ قبائلی غرور، خاندانی عصبیت، اعزہ پروری، جو خلافت راشدہ میں سخت عیب اور معصیت شمار ہوتی تھی، ہنر اور محاسن بن گئے۔

Arab Nationalism کیسے وجود میں لایا گیا:

عرب میں نظریہ وطنیت کی تاریخ کا تحقیقی مطالعہ بتاتا ہے کہ اس نظریئے کے اولین بانی تمام تر عیسائی اور یہودی تھے۔

تاریخ عرب کے مشہور ماہر و مورخ جارج انٹونیوس (George Antonius) اپنی کتاب ''عربوں کی بیداری (Arbab Awaken) میں کہتا ہے کہ جن لوگوں نے عرب قومیت کی تحریک کو آگے بڑھایا ان میں دو آدمی سب سے زیادہ نمایاں تھے۔ ایک ناصف یازجی اور دوسرے پطرس بستانی۔ دونوں لبنانی عیسائی تھے۔ بستانی ہی نے سب سے پہلے اس نعرہ کو چلایا۔

''حب الوطن من الایمان''۔ ''وطن کی محبت جزو ایمان ہے''

جب کہ اس سے قبل عرب اس نعرے سے ناواقف تھے لیکن رفتہ رفتہ مسلمان بھی مانوس ہو گئے۔ مصنف کے الفاظ ہیں:

> "So it came to pass that the ideas which had originally been sown by the christians were now roughly at the turn of the century, finding an increasingly receptive soil among muslims.
>
> ''اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ نظریات جن کے بیج دراصل عیسائیوں نے بوئے تھے ان کو مسلمانوں کے درمیان ایسی زمین مل گئی جو روز افزوں اثر پذیر تھی۔'' (۱۹)

۳۔وطنی قومیت کی وباء اور اس کے ٹھیکے دار:

وطنی قومیت کی وباء اسلامی ملکوں میں آئی نہیں بلکہ لائی گئی۔ سب سے پہلے لادینیت اور قومیت کا تجزیہ ترکی میں کیا گیا جس کی بنیاد ضیاء گوک الپ جیسے لوگوں کی تحریروں نے رکھی۔ گوک الپ اور اس کے ہم فکر اسلام کے بجائے قدیم طورانی تہذیب کے احیاء قائل تھے اور یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ (نعوذ باللہ) عربوں کا وضع کردہ اسلام ہمارے حالات کے مناسب نہیں، ان لوگوں نے مغربی

تہذیب اختیار کرنے پر بھی زور اس لئے دیا کہ وہ دراصل اس قدیم تمدن کے تسلسل ایک شکل ہے جس کی نشو ونما اور حفاظت میں ترکوں کا حصہ رہا ہے۔

پھر مصطفیٰ کمال کے ذریعے ان نظریات کو عملی شکل دی گئی اور ہر اس چیز کے خلاف ظالمانہ ہتھکنڈے استعمال کئے گئے جس سے اسلام کی بو بھی آتی تھی، حتیٰ کہ ترکی زبان جو صدیوں سے عربی رسم الخط میں لکھی جاتی تھی اس کو لاطینی رسم الخط میں تبدیل کر کے عربی حروف کو ممنوع قرار دے دیا تاکہ نئی ترک نسل کا رشتہ اپنے مسلمان اسلاف اور ان کے تصنیفی ورثے سے مکمل طور پر کٹ جائے۔

۴۔ خلافت عثمانیہ کو پارہ پارہ کرنے کی سازشیں:

یہودیوں نے ۱۹۰۲ء میں تھیوڈر ہرزل (Theodore Herzl) کو قائد بنا کر ایک وفد خلافت عثمانیہ کے فرمانروا سلطان عبدالحمید ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بھیجا اور ان سے درخواست کی کہ یہودیوں کو دوبارہ فلسطین میں آباد ہونے کی اجازت دی جائے اور ساتھ ہی پیش کش کی اس ''اجازت'' کے صلے میں ہم ترکی کے تمام بیرونی قرضے ادا کرنے کو تیار ہیں لیکن سلطان نے ایمان افروز جواب دیا۔

> ''ڈاکٹر ہرزل کو باخبر کر دو کہ آج کے بعد فلسطین میں یہودی ریاست قائم کرنے کی کوشش سے دستبردار ہو جائیں۔ یہودی فلسطین کو صرف اس صورت میں حاصل کر سکتے ہیں جب تک کہ خلافت عثمانیہ ایک خواب و خیال ہو چکی ہو۔'' (۲۰)

سلطان کے اس جواب سے یہودی لابی خلافت عثمانیہ پر کاری ضرف لگانے کی بھرپور کوششوں میں لگ گئی اور متحدہ امت کے نوجوانوں میں قومی اور لادینی نظریات کا بیج بونے لگے۔

خلافت عثمانیہ کے خاتمے کے لئے ''ینگ ترک'' نامی جس تحریک نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا وہ سب غیر ترکی فری میسن تھے۔ ترکوں کا بھیس بدل کر ان کی ترقی و خوشحالی کے نعرے لگا کر انہیں ٹھکانے لگا دیا۔ انور پاشا پوش تھا، جاوید بے دونمہ فرقے کا یہودی تھا۔ قرہ صوہ آفندی جو سلطان عبدالحمید کے پاس معزولی کا پروانہ لے کر گیا سالونیکا کا سفاری یہودی تھا۔ ''پاشا''، ''بے''، اور ''آفندی'' کے لقب لگا کر مسلمانوں کو دھوکہ دیا۔ ترکوں اور عربوں میں قوم پرستی کے منافرانہ جذبات پیدا کر کے غیر معمولی تخریبی کارروائیاں کرنے والا ایجنٹ ایڈورڈ لارنس، (المعروف لارنس آف عربیا) بھی یہودی اور دو بزرگ صیہونی داناؤں کا خاص شاگرد تھا۔

چاک کر دی ترک نادانوں نے خلافت کی قبا
سادگی اپنوں کی اوروں کی عیاری بھی دیکھ!

تصورِ امت کے خاتمے اور باہمی انتشار کی ہولناکیاں:

ا۔ تاتاری حملے اور اس کے اسباب:

ساتویں صدی میں عالم اسلام کو وہ عظیم حادثہ پیش آیا جس کی نظیر تاریخ عالم میں مشکل سے ملے۔ قریب تھا تاتاری غارت گر اسلام اور مسلمانوں کی ہستی کو ہی فنا کر دے۔

اس منحوس واقعہ کے عہد میں مسلمان قلیل یا فقیر نہ تھے بلکہ زمین کے جغرافیہ پر ان کی دو عظیم حکومتیں چمک دمک سے قائم تھی۔ ایک طرف مرکزِ خلافت بغداد میں سلطنت ایوبی اپنے جانشینوں کی عیاشیوں کے باوجود ظاہری شان وشوکت اور دبدبے کے ساتھ مستحکم تھی۔ ادھر عالمِ اسلام کے مشرقی حصے میں خوارزم شاہی بلاشرکت غیرے حکومت کر رہے تھے، پانچویں صدی میں سلجوقیوں کے کھنڈرات پر قائم ہونے والی اس ریاست کی وسعت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ مصروشام، عراق وحجاز اور شمال ومغرب میں ایشیائے کوچک کے مختصر سلجوقی علاقے اور جنوب مشرق میں غوریوں کی نوخیز سلطنت کو مستثنیٰ کر کے تقریباً سارا عالمِ اسلام خوارزم شاہوں کے زیرِ نگیں تھا۔

لیکن ان مسلم سلطنوں میں اتحاد باہمی اور جذب داخلی تو کیا ہوتا، بلکہ حسد وبغض کی خفیہ ندیاں بہہ رہی تھیں۔ جس وقت چنگیز خان اور سلطان علاؤالدین محمد خوارزم شاہ کے تعلقات کشیدہ ہوئے تو تاریخ نگاروں کے مطابق خلیفۂ بغداد نے ہی چنگیز خان کو خوارزم شاہ پر حملہ کرنے اور اپنی لاتعلقی کا عندیہ دیا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ چنگیز خان نے ۶۱۶ھ میں خوارزم شاہی پر اور ۶۵۶ھ میں اس کے پوتے ہلاکو خان نے بغداد پر حملہ کر کے وہ ظلم وبربریت کی جس سے انسانیت شرما گئی۔ لیکن یہ تباہی تو ذہنی تباہی کا پرتو تھی جس کے تحت بخارا پر حملے کے وقت بغداد خاموش رہا اور بغداد کی تباہی کے وقت مصر لاتعلق رہا۔ (۲۱)

۲۔ سقوطِ خلافت عثمانیہ:

خلافت عثمانیہ، خلافت راشدہ (632-661)، خلافت بنو امیہ مشرق (661-750)، خلافت بنو امیہ مغرب (756-1492) اور خلافت عباسیہ (750-1285) کے بعد قائم ہوئی تھی۔ خلافت عثمانیہ کو یہ منفرد اعزاز ملا کہ اس نے ۱۴۵۳ء میں قسطنطنیہ (سلطنت روم کا دارالحکومت اور عیسائیوں کا دل) کو فتح کیا اور اسلامی سلطنت کی سرحدیں یورپ کے اہم علاقوں تک پھیلا دیں۔ سلطنت کے عروج کے زمانے میں اس میں موجودہ ترکی علاوہ افریقہ کے بعض علاقے (مصر، طرابلس)، جزیرہ نمائے عرب یعنی حرمین وحجاز، یورپ میں سے آسٹریا اور ہنگری تک کے علاقے اور علاقہ بلقان کا بیشتر حصہ (سربیا، کروشیا، بوسنیا، مقدونیہ، مونٹی نیگرو، البانیہ، بلغاریہ، رومانیہ اور یونان) شامل تھے۔ گویا وہ تین براعظموں ایشیاء، افریقہ اور یورپ پر بیک وقت حکمران تھے۔

یورپی ممالک اس عظیم اسلامی سلطنت کو کیسے برداشت کر سکتے تھے انہوں نے اپنے ایجنٹوں اور زرخرید غلاموں کے ذریعے ان علاقوں کے مسلمانوں میں علاقائی عصبیت ووطن پرستی کا وہ زہریلا مادہ داخل کر دیا تھا جس نے وحدت امت سے قائم اس خلافت کو اندرونی بغاوتوں کی آماجگاہ بنا دیا جس کے بعد ۴ مارچ ۱۹۲۴ء کو یہ رحمانی خلافت ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی۔

۳۔ مسلکی اختلافات ذریعہ جدال بن گئے:

انسانی فہم کے تفاوت اور ترجیحات کے تعین کی وجہ سے عہدِ رسالت سے ہر دور میں قرآن وحدیث کے طریقۂ تطبیق میں اختلافات رہے ہیں۔ لیکن جس وقت مسلمان ''امت'' تھے یہ اختلافات باہمی اتحاد واحترام میں رکاوٹ نہیں بنتے تھے۔ صحابہ کرام رضی

اللہ عنہم کا عام معمول وتر کی تین رکعت پڑھنے کا تھا، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک رکعت وتر کی پڑھی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے غلام کریب نے ازراہِ تعجب حضرت ابن عباس سے تذکرہ کیا تو آپ نے فرمایا:

"دعه فانه فقيه" "ان سے تعرض نہ کرو، وہ خود فقیہ ہیں۔" (۲۲)

لیکن قرونِ مابعد میں ان فروعی اختلافات کو بھی مذہبی تعصبات کا رنگ دے کر جنگ و خانہ جنگی کی راہ ہموار کر لی گئی۔

۴۔ ممالک اسلامیہ کے نظاموں کا فیصلہ غیروں کے ہاتھوں میں ہونے لگا:

مسلم ممالک کے درمیان ربط، اجتماعیت، تعلق کا خاتمہ استعماری طاقتوں کے لئے نویدِ فتح لایا۔ وہ کھلے مہار اسلامی ممالک میں اپنے من پسند لادینی نظام بزورِ قوت نافذ کرنے لگے۔ کسی بھی ممالک کی مدد کو کوئی نہ آیا۔

سوڈان کی حالت زار:

اسلامی انقلاب کے آنے سے قبل سوڈان کی مختلف قسم کی مدد کی جاتی تھی۔ ملک میں متعدد بین الاقوامی رفاہی اور امدادی شاخیں تھیں۔ کئی مغربی ممالک امداد دیا کرتے تھے لیکن اسلامی انقلاب کے آتے ہی ساری امداد بند کر دی گئی۔ بعض عالمی اداروں اور ملکوں نے سوڈان پر پابندیاں لگانی شروع کر دی۔ عالمی بینک نے شرح سود میں اضافہ کر دیا۔ IMF نے سوڈان کی رکنیت معطل کر دی۔ حد تو یہ ہے کہ رحمانی نظام قائم کرنے پر اس تیسری دنیا کے غریب ملک کی مدد عالم اسلام سے کیا ہوتی بلکہ نہایت نازک دنوں میں ایک نہایت امیر مسلم ملک نے بیرونی دباؤ پر سوڈان کی امداد بند کر دی۔

تاجکستان کی تباہی:

ایسی ہی ایک کوشش ۱۹۹۲ء میں لائے گئے تاجکستان کے انقلاب کے خلاف کی گئی، تاجکستان میں حـزب النهضة نے اسلامی نظام قائم کرنے کے لئے کمیونسٹ حکمرانوں کو اقتدار چھوڑنے پر مجبور کیا مگر یہودیوں اور سابق کمیونسٹوں نے نہ صرف یہ کہ K.G.B کی مدد سے اسلامی قوتوں کا تختہ پلٹ دیا بلکہ پورے ملک میں مسلمانوں کا قتل عام کر دیا۔ ہزاروں افراد شہید ہوئے اور کئی لاکھ کو افغانستان میں پناہ لینی پڑی۔

امت کہاں ہے؟

آج افغانستان، فلسطین، عراق، بیروت کے زخمی دل مسلمان چیخ چیخ کر پوچھ رہے ہیں کہ امت کہاں ہے؟ مگر ۵۸ ممالک میں سے ایک بھی نہیں جو اس مظلومانہ پکار کا جواب دے دے۔ کل اگر دوسرے علاقوں سے آواز اٹھی اور یہی چیخ سنائی دی تو موت کی خاموشی کے سوا جواب کیا ہوگا؟

''امت'' کے قیام کے لئے چھ نکاتی لائحہ عملِ قرآن وسنت کی روشنی میں:

علاقائی عصبیت، نسلی امتیازات، اور وطنی قومیت جیسے زہریلے جذبے مسلمانوں کے دلوں میں بسانے کے لئے منظم وخفیہ سازشوں اور مربوط تدبیروں کے ساتھ سالہا سال کام کیا گیا ہے۔لہٰذا ''امت'' کی نشاۃ ثانیہ کے لئے محض ہوائی تقریروں اور پر جوش نعروں کے بجائے خوش اور ہوش کے امتزاج کے ساتھ مرتب ومنظّم حکمت عملی اپنانے کی ضرورت ہے جونظریہ امت اور مسلم قومیت کو مردہ خانوں سے نکال کر مسلم ذہنوں میں زندہ اور عملی دنیا میں متحرک کردے۔

ا۔اللہ تعالیٰ کی رسی سے تمسکِ اجتماعی

اتفاق واتحاد کے محبوب ومطلوب ہونے پر دو راہیں نہیں لیکن تاریخ گواہ ہے کہ مسلمانوں کو ایک جھنڈے تلے جمع کرنے کی کوشش ناکام ہوئیں اور فرقوں، گروہوں اور پارٹیوں کا ایسا لامحدود سلسلہ چلا ہے کہ صحیح معنوں میں دو آدمیوں کا اتحاد بھی اب افسانہ لگتا ہے۔

غور کیا جائے تو بنیادی سبب یہ معلوم ہوگا کہ ہر تحریک لوگوں کو اپنے خود ساختہ پروگرام پر متحد کرنا چاہتی ہے اور دوسرے لوگ جو اپنا بنایا ہوا نظام رکھتے ہیں وہ ان سے متفق ہونے کے بجائے اپنے پروگرام پر متحد ہونے کی دعوت دیتے ہیں۔نتیجہ: افتراق۔

اللہ تبارک وتعالی صرف تنظیم واجتماع ہی کا حکم نہیں دیتے بلکہ اس کے حصول و بقاء کا ایک منصفانہ اصول بھی بتاتے ہیں کہ جس کے ماننے سے کسی گروہ کو اختلاف نہیں ہونا چاہیے۔فرماتے ہیں:

و اعتصموا بحبل اللہ جمیعا و لا تفرقوا (آلِ عمران:۱۰۳)

اور اللہ کی رسی کو سب مل کر مطبوطی سے تھامے رکھو اور آپس میں پھوٹ نہ ڈالو۔

یعنی کسی انسانی دماغ یا چند انسانوں کے بنائے ہوئے نظام کو دوسرے انسانوں پر تھوپ کر ان سے یہ امید رکھنا کہ وہ سب اس پر متفق ہوجائیں گے، عقل وانصاف کیخلاف اور خود فریبی کے سوا کچھ نہیں۔البتہ رب العالمین کا دیا ہوا نظام ضرور ایسی چیز ہے کہ کوئی عقلمند اصولاً اس سے انکار نہیں کرسکتا۔

اس لئے ان تمام مسلمانوں کے لئے جو صرف قرآنِ کریم کے خدائی نظامِ حیات ہونے پر ایمان رکھتے ہیں، صرف یہی لائحہ عمل ہے۔اگر مسلمانوں کی مختلف پارٹیاں قرآنِ کریم کے نظام پر جمع ہوجائیں تو ہزاروں گروہی اور نسلی وطنی اختلافات ایک لحظہ میں ختم ہوسکتے ہیں جو انسانیت کی ترقی میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں۔

اب اگر مسلمانوں میں کوئی باہمی اختلاف رہے گا تو وہ صرف فہمِ قران اور تعبیرِ قرآن میں رہ سکتا ہے،اور ایسا اختلاف حدود میں رہے تو نہ وہ مذموم ہے اور نہ انسان کی اجتماعی زندگی کیلئے مضر، بلکہ ایسا اختلاف رائے عقلاء کے درمیان رہنا فطری امر ہے۔(۲۳)

۲۔نصابِ تعلیم کی سمت کا تعین:

اگر موجودہ نصابِ تعلیم کا ٹھنڈے دل سے جائزہ لیا جائے تو قومیت کا مغربی تصور اس کی رگ رگ میں بسا ہوا نظر آئے گا

اور جب تک یہ صورت حال برقرار رہے عصبیت کی کوئی آواز تعجب خیز نہ ہونی چاہیے۔ حقیقت یہ ہے کہ ذہنوں کو عصبیت کے زہریلے جراثیم سے پاک کرنے کا راستہ اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ ان نصاب تعلیم پر پوری سنجیدگی کے ساتھ نظر ثانی کر کے، علاقیت کے زہریلے مواد کو نکال کر، اسلامی قومیت کا وہ تصور طلباء کو گھٹی میں پلایا جائے جس کی بنیاد انـما الـمؤمنون اخوۃ پر ہو۔ نونہالانِ وطن کے گوشت پوست میں یہ حقیقت اتر جائے کہ:

جو کرے گا امتیاز رنگ و خوں مٹ جائے گا
ترک خرگاہی ہو یا اعرابی والا گہر
نسل اگر مسلم کی مذہب پر مقدم ہوگئی
اڑ گیا دنیا سے تو مانندِ خاک رہ گذر
تا خلافت کی بنا دنیا میں ہوں پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

(اقبالؒ)

۳۔ تاریخی کھنڈرات کی صحیح حیثیت کا تعین:

آخری دور میں مغربی افکار کا جو سیلاب اسلامی دنیا میں امڈا اس نے فتنۂ تعصب وقومیت کو نیشنلزم کا عنوان دے کر اسے ایک فیشن بنا دیا۔ مسلم ممالک کے درمیان باہمی اخوت، ہمدردی، یک جہتی اور تعاون کے خاتمے کے لئے دشمنانِ اسلام ہر ملک میں وطنیت کے نظریہ کو پروان چڑھانے کی بھرپور کوشش میں مصروف ہیں۔ اسلامی وحدت کے تصور کو کھرچنے کے لئے وہ ملک کے باشندوں کا رشتہ ان کے مسلم اسلاف کے بجائے ان کے غیر مسلم آباء واجداد اور ان کے جغرافیائی آثار سے جوڑنے کی فکر میں رہتے ہیں۔

افسوس ہے کہ متعدد اسلامی ممالک اس سازش کا شکار ہوگئے۔ کچھ عرصہ قبل مصر کے بعض لوگوں نے اپنا رشتہ فرعون کے ساتھ ملانے کی کوشش کی جس کے نتیجے میں فرعون کی کئی یادگاریں قائم کی گئیں۔ اکتوبر میں حکومتِ ایران نے ڈھائی ہزار سالہ جشن شاہی منا کر یہ تصور پیش کیا کہ اب ایران دوبارہ اپنی عقیدت ومحبت کا مرکز ان شہنشاہوں کو بنا رہا ہے جن میں سے ایک نے سرکارِ دوعالم ﷺ کا نامہ مبارک چاک کر ڈالا تھا۔

بعض پاکستانیوں نے راجہ داہر کی قبر پر پھول چڑھا کر اس سے اپنی عقیدت کا اظہار کیا۔ صوبہ سندھ کی ایک طالبہ اخبار کے نام میں لکھتی ہیں:

''راجہ داہر سندھی تھا، چاہے وہ ہندو ہو یا مسلمان ہمارا ہیرو ہے، وقت آنے پر ثابت ہو جائے گا کہ ہم سندھی محمد بن قاسم پر لعنت بھیجتے ہیں، شاہ لطیف کو سلام کرتے ہیں۔ سندھ کی عظمت اسلام سے نہیں موہن جو داڑو سے ہے۔'' (۲۴)

موہن جوداڑو، ہڑپہ، ٹیکسلا، تخت بالی اور کوٹ ڈی جی کے آثار قدیمہ کی علمی و تاریخی اہمیت مسلم ہے لیکن سوال یہ ہے کہ پاکستان کا ان کھنڈرات سے اس کے سوا کیا رشتہ ہے کہ تقسیم کے وقت یہ علاقے ہمارا حصّہ میں آ گئے۔

لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ شعائرِ اسلام سے تعلق مظبوط کرتے ہوئے عالم اسلام میں متفرق بکھرے ہوئے یادگار اسلام مقامات سے مسلم طلباء کے جذبات وابستہ کئے جائیں اور دوسری طرف اپنے تعلیمی نصاب میں ان علاقائی کھنڈرات کی تاریخی اہمیت بتانے کے ساتھ ساتھ ان کی حقیقت متعین کی جائے کہ:

ہو قید مقامی تو نتیجہ ہے تباہی
رہ بحر میں آزادِ وطن صورت ماہی

۴۔ مسلکی اختلافات حدودِ شرعیہ میں محصور کیے جائیں:

آج مذہب کے نام پر جو جنگ وجدال کا بازار گرم ہے اس کے دورکن ہیں۔

(الف) ہر فرقے کے علماء ورہنما۔

(ب) وہ عوام ان کے پیچھے چلنے والے ہیں۔

علماء وائمہ اپنی تحقیق وتنقید میں قرآنی اصول دعوت کے مطابق دوسروں کی توہین سے پرہیز کریں اور اسلام کے بنیادی مسائل جن میں کسی فرقے کو اختلافات نہیں اپنی کوششوں کا رخ ان کی طرف پھیر دیں۔ سچ ہے کہ اسلام اور مسلمانوں پر جو مصائب آرہے ہیں وہ ان ہی مسائل سے تعلق رکھتے ہیں۔

اس طرح عوام مقدور پھر طاقت استعمال کرتے ہوئے کسی صحیح عالم کا انتخاب کریں اور اس کے بتائے ہوئے طریقے پر چلتے رہیں۔ دوسرے علماء یا ان کے متبعین سے لڑتے نہ پھریں۔

اس ترکیب سے سارے فرقے اور ان کے باہمی اختلافات بدستور رہتے ہوئے بھی یہ باہمی جنگ ومناظرے ختم ہو سکتے ہیں جس نے آج مسلمانوں کو کسی کام کا نہ چھوڑا۔ صرف ذراسی توجہ دلانے اور دینے کی عمومی و اجتماعی ضرورت ہے۔

۵۔ دعوت الی اللہ کی اجتماعی جہد:

ہجرتِ مدینہ سے قبل یثرب کے باشندے خانہ جنگیوں اور مستقل لڑائیوں سے چور چور ہو گئے تھے، بعاث کی جنگ پر ابھی کچھ زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا، اس کی تلخ کلامیوں سے ابھی ان کے کان و ذہن پوری طرح آشنا تھے، اور اب ان کے اندر اتحاد، صلح و صفائی اور جنگ سے بچنے کی خواہش شدید تر ہو گئی تھی۔ عقبہ کے پاس جب آپ ﷺ نے چھ انصاریوں کو دعوت دی اور انہوں نے جو جواب دیا وہ ان کی اس صورتِ حال اور اندرونی کیفیت کی غمازی کرتے ہیں۔

> ہم اپنی قوم کو چھوڑ کر آئے ہیں، کسی قوم میں اتنا شر وفساد اور باہمی عداوت نہیں جتنی ان کے درمیان ہے، شاید اللہ آپ کے ذریعہ ان کو یکجا کر دے۔ اگر اللہ تعالیٰ ان کو متحد کر دے گا تو پھر آپ سے باعزت ہم میں کوئی نہیں ہوگا۔ (۲۵)

وہ لوگ مسلمان ہو گئے تو نبی کریم ﷺ نے ایک دن کے مسلمانوں کو دیگر افراد کو دعوتِ اسلام دینے کا حکم دیا، جس کا خیال انہوں نے اس حد تک رکھا کہ، علامہ ابن القیم رحمہ اللہ علیہ کی تحقیق کے مطابق، مدینہ میں کوئی گھر نہیں بچا جس میں اسلام کی دعوت نہ پہنچی ہو۔(۲۶) اگلے سال انصار کے بارہ افراد حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے ان سے بھی دعوت دینے کی بیعت لی اور ان کے ساتھ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو بھی بھیجا جو اجتماعی طور پر دعوت بھی دیتے اور دعوت کی اس جہد میں انصار کو بھی شامل کرتے۔ ایک بلند مقصد کے احساس اور مشترکہ محنت کے اثر نے ان سے صدیوں پرانی عداوتیں اور کینے نکال کر انہیں بھائی بھائی بنا دیا اور محبت کی ایسی فضا قائم کر دی جس کی قرآن یوں منظر کشی کرتا ہے:

واذکروا نعمة اللّٰه علیکم اذ کنتم اعداء فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخوانا

(آلِ عمران:۱۰۳)

اللہ کا یہ انعام اپنے اوپر یاد رکھو کہ جب تم باہم دشمن تھے، اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی، سو تم اس کے انعام سے بھائی بھائی بن گئے۔

آج کے مسلمان بھی اگر احیائے دین کی اس مبارک محنت کو اجتماعی طور پر اپنا لیں تو تعصب، فرقہ واریت، گروہ بندی، جیسے مہالک خس و خاشات کی طرح بہہ جائیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ اس سے اگلی آیت میں دعوت الی الخیر کا حکم دیا گیا ہے۔

۶۔ مشترک آرمی، کرنسی:

اگر مذہبی تشتت اور جغرافیائی بعد کے حامل متعدد ممالک مشترکہ دشمن کے خلاف بعنوانِ NATO مشترکہ فوج منظم کر سکتے ہیں تو افرادی قوت سے مالا مال اسلامی ممالک مشترکہ اسلامی فوج کیوں قائم نہیں کرتے؟

چند یورپی ممالک EURO قائم کر کے DOLLAR کا مقابلہ کر سکتے ہیں تو تیل کی دولت سے مالا مال اسلامی ممالک مشترکہ کرنسی کیوں نہیں نکالتے؟

خلاصۂ کلام:

یہ ہے کہ بندہ کی نگاہ میں آج امت مسلمہ کا سب سے اہم مسئلہ ''تصورِ امت'' کا نہ ہونا ہے کہ مسلمان ''امت'' کی جمعیت ترک کر کے ''قومیں'' بن چکے ہیں۔

حکمت مغرب سے ملت کی یہ کیفیت ہوئی
ٹکڑے ٹکڑے جس طرح سونے کو کر دیتا ہے گاز

ماضی تابندہ کی روشن کامیابیاں اس تک حقیقت حاضرہ کا نہیں روپ ڈھار سکتے جب تک مسلمانانِ عالم بطرزِ صحابہ اسلامی تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے ''امت'' از سرِ نو قائم نہ کر لیں کہ

وہی چراغ جلیں گے تو روشنی ہوگی
وما ذٰلک علی اللّٰہ بعزیز

حوالہ جات

01 U.S. Geological Surveys & Oil and Gas journal, Weblink:www.TurnToIslam.com.

02. World Proved Reserves of Oil and Natural Gas, Most Recent estimates, Eia.doel Gov. Retrieved 2005-10.

03. U.S. Geological Survey.........

04. Anthony, Executive Summary and Major Policy Recommendations,October 30, 2000.

05. Jim Nichol,"Central Asia's new states. political development and Implication for U.S interests. CRS issue brief for congress, June 13, 2003, on line at: www.nsceonline.org

06. Ibid

07. Ibid

۸۔ ابوداوٗد، سنن، کتاب الملاحم، باب فی تداعی الامم علی الاسلام، رقم الحدیث:۴۲۹۹۔

۹۔ محمد حنیف عبدالمجید، تحفۃ الائمۃ، بیت العلم ٹرسٹ، کراچی، ربیع الاوّل ۱۴۳۰ھ، ص:۵۶۱۔

۱۰۔ محمد رمضان میاں، خطباتِ علی میاں، دارالاشاعت، ص:۸۷۔

۱۱۔ سید ابوالحسن علی ندوی، نقوش اقبال، مجلس نشریات اسلام، کراچی، ۲۱ جولائی ۱۹۷۵ء، ص:۲۸۰۔

۱۲۔ احمد بن حنبل، مسند احمد، حدیث رجل من اصحاب النبی، رقم:۲۴۲۴۔

۱۳۔ ابوداوٗد، سنن ابی داوٗد، کتاب الأدب، باب فی العصبیۃ، رقم:۵۱۲۱۔

۱۴۔ ترمذی، سنن الترمذی، کتاب المناقب، باب فی فضل الشام، رقم:۳۹۵۶۔

۱۵۔ ابن کثیر، البدایۃ والنھایہ، غزوۃ بدر العظمیٰ، باب فرح النجاشی بوقعۃ بدر، ص ۳۰۸ جلد ۲۔

۱۶۔ شبلی، سیرت النبی، لاہور ۱۹۸۸ء، ص:۴۷۶ جلد:۱

۱۷۔ بخاری، صحیح البخاری، کتاب الجماعۃ، باب امامۃ المفتون، رقم:۶۹۵

۱۸۔ تحفۃ الائمۃ، محولہ بالا، ص ۵۶۸

۱۹۔ محمد تقی عثمانی، اسلام اور سیاست حاضرۃ، مکتبہ دارالعلوم کراچی، ۲۰۰۲ء، ص ۱۰۹، بحوالہ George Ahtonious, The Arab Awaken, p: 52.

20. Quoted by: Mr. Ghulam Muhammad: of Indonesia Muslim News Karachi May1968,p:8

۲۱۔ سید ابوالحسن علی ندوی، تاریخ دعوت و عزیمت، مجلس نشریاتِ اسلام، کراچی، ص ۳۹۸، ج:۱۔

۲۲۔ بخاری، صحیح البخاری، کتاب فضائل الصحابۃ، باب ذکر معاویۃ رقم:۳۷۶۴، ۳۷۶۵۔

۲۳۔ محمد شفیع، معارف القرآن، ادارۃ المعارف کراچی، اگست ۲۰۰۱ء، ص ۱۳۱، جلد ۱۔

۲۴۔ حریت میگزین، ۱۸ نومبر ۱۹۶۸ء۔

۲۵۔ ابن کثیر، البدایۃ والنھایہ، باب بدو اسلام الانصار، ص:۴۰۰، ج:۳۔

۲۶۔ علامہ ابن القیم، زاد المعاد، بیعۃ العقبۃ الاولیٰ، ص:۴۰، ج:۔